© rasailojaraid.com

ششماہی علوم القرآن علی گڑھ ۷/۱ جنوری-جون ۱۹۹۲ء

عہد وسطیٰ کی ایک اہم فارسی تفسیر
بحرِ مواج کا تحقیقی مطالعہ

محمد مسعود عالم قاسمی

ہندوستان میں مسلم حکومت کے زوال کے نتیجہ میں مسلمانوں کو جہاں بہت سے صدمے برداشت کرنا پڑے وہاں ایک صدمہ یہ بھی سہنا پڑا کہ فارسی علم وادب سے ان کا رشتہ تقریباً ختم ہوگیا۔ عہد وسطیٰ میں مسلم حکومتوں کی دفتری وسرکاری زبان اور مسلمانوں کی عوامی زبان فارسی رہی اس لیے انھوں نے بلکہ بعض غیر مسلموں نے بھی اپنی علمی وفنی اور ثقافتی وتمدنی سرگرمیوں کے اظہار کے لیے فارسی زبان کو وسیلہ بنایا اور اس طرح فارسی زبان میں ہندوستانی مسلمانوں نے علم وادب کا ایک بڑا ذخیرہ فراہم کیا۔

مغلیہ سلطنت کے سقوط کے بعد انگریزوں کے عہد میں غیر سرکاری سطح پر اور کسی قدر سرکاری سطح پر فارسی علم وادب کا چلن باقی رہا مگر آزادی ہند کے بعد تو ہندوستانی مسلمان اپنے اس فارسی سرمایہ سے تقریباً محروم ہوگئے۔ عربی زبان وادب سے ان کے اہل علم کا تعلق برقرار بلکہ استوار ہے کیونکہ وہ علوم دینیہ کی اشاعت کا نہ صرف اہم وسیلہ ہے بلکہ دین وثقافت کا اس سے مقدس رشتہ بھی ہے اور فی زمانہ عربوں کی دولت نے عربی زبان کی مادی اہمیت میں بھی بہت کچھ اضافہ کر دیا ہے مگر چونکہ فارسی زبان کو یہ درجہ حاصل نہیں اس لیے یہاں کے مسلمان نامساعد حالات کے زیر اثر اس زبان وادب سے اپنا تعلق برقرار نہ رکھ سکے اور اس طرح اپنے ہی علم وفن کے بہت بڑے سرمایے سے اجنبی بن کر رہ گئے۔ حالانکہ عربی کی طرح فارسی زبان میں بھی حدیث، تفسیر، فقہ، کلام، نحو وصرف، عقائد، تصوف اور دوسرے اسلامی فنون پر بیش قیمت تصانیف خود اہل ہند کی لکھی ہوئی موجود ہیں۔

عہد وسطیٰ کی تفسیری کوششوں میں جن بزرگوں نے قدر ومنزلت اور شہرت حاصل کی اور قرآنی علم وادب کی آبیاری میں اپنا نام روشن کیا ان میں ملک العلماء قاضی شہاب الدین عمر دولت آبادی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ممتاز ہیں۔ ان کی تفسیر "بحر مواج" کو بڑا قبول عام حاصل ہوا اور علماء علم و فن نے اسے خراجِ تحسین پیش کیا۔[1] بلاشبہ اس فارسی تفسیر کو اس عہد کا ایک کارنامہ قرار دیا جاسکتا ہے اور اسے متداول عربی تفاسیر کے ہم پلہ سمجھا جاتا ہے مگر آج اہل علم اس تفسیر سے بالعموم ناآشنا ہیں۔

قاضی شہاب الدین ابن شمس الدین ابن عمر زاولی دولت آبادی آٹھویں صدی ہجری کے اواخر میں دولت آباد (دکن) میں پیدا ہوئے۔[2] تعلیم و تربیت قاضی عبدالمقتدر دہلوی م ۷۹۱ھ[3] اور مولانا محمد خواجگی دہلوی م ۸۰۹ھ[4] تلامذہ مولانا معین الدین عمرانی[5] سے حاصل کی۔ قاضی عبدالمقتدر قاضی شہاب الدین کے متعلق کہا کرتے تھے کہ

"میرے پاس بعض ایسے طلبا آتے ہیں جن کی ہڈی کھال اور گوشت سب کچھ علم ہے۔"[6]

قاضی شہاب الدینؒ نے سید میر اشرف جہانگیر سمنانی م ۸۰۵ھ یا ۸۰۸ھ سے بھی ان کے جون پور میں قیام کے دوران استفادہ کیا تھا۔[7] شیخ عبدالحق محدث دہلوی م ۱۰۵۲ھ نے قاضی صاحب کے نام شیخ سمنانیؒ کا ایک طویل مکتوب نقل کیا ہے جس میں قاضی صاحب کے استفسار کے جواب میں شیخ محی الدین ابن عربی م ۶۳۸ھ کی کتاب فصوص الحکم میں فرعون کی بحث کے رموز سمجھائے گئے ہیں۔[8]

جب امیر تیمور نے ہندوستان پر حملہ کیا تو تیموری لشکر کے دہلی پہونچنے سے پہلے مولانا خواجگیؒ دہلی چھوڑ کر کالپی چلے گئے، قاضی شہاب الدینؒ بھی اس سفر میں اپنے استاذ کے ہمراہ تھے۔ مولانا خواجگی تو کالپی میں مقیم ہو گئے اور قاضی شہاب الدین جون پور چلے گئے جو اس زمانہ میں شرقی سلاطین کا دارالخلافہ تھا۔ اس وقت کے سلطان ابراہیم بن خواجہ جہاں شرقی (۸۴۴-۸۰۴) نے قاضی صاحب کی آمد کو غنیمت جانا اور ان کا بہت اعزاز و اکرام کیا، ان کو ملک العلماء کا خطاب عطا کیا جس کے وہ بجا طور پر مستحق تھے اور قاضی القضاۃ کے منصب پر فائز کیا۔[9]

قاضی شہاب الدین سے سلطان ابراہیم کو کتنی عقیدت اور محبت تھی اس کا کچھ اندازہ اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک مرتبہ قاضی صاحب بیمار ہوئے تو سلطان ابراہیم ان کی عیادت کے لیے گیا اور مریض کے بستر کے قریب بیٹھ کر اظہار محبت و تعزیت کے بعد ایک پیالہ پانی طلب کیا، پانی آگیا تو بادشاہ نے اس پیالہ کو تین مرتبہ قاضی صاحب کے سر پر گھمایا اور یہ دعا کرتے ہوئے خود پی لیا کہ "اے اللہ میرے قاضی پر جو مصیبت آنی ہو سب کچھ مجھ پر آئے اور ان کو صحت عطا فرما۔"[10]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قاضی صاحب کو سلطان کے یہاں جو قدر و منزلت حاصل ہوئی اس کی وجہ سے ان کے کچھ حاسدین بھی پیدا ہو گئے، قاضی صاحب نے اپنے استاذ مولانا خواجگی کو اس کا شکوہ لکھا تو جواب میں مولانا خواجگی نے حسب ذیل قطعہ لکھ کر بھیجا۔

اے بیش از انکہ در قلم آید ثنائے تو　　واجب بر اہل مشرق و مغرب دعائے تو
اے در بقائے عمر تو نفع جہانیاں　　باقی مباد آنکہ نخواہد بقائے تو[۱۱]

قاضی صاحب نے ۲۵ رجب ۸۴۹ھ کو وفات پائی اور مسجد ابراہیم شرقی کے جنوب میں دفن ہوئے[۱۲]۔ اس وقت یہ جگہ ڈگری کالج جونپور کے احاطہ میں واقع ہے۔

قاضی صاحب ایک طرف تو تفسیر و حدیث اور فقہ و کلام میں مہارت رکھتے تھے اور دوسری طرف علم صرف و نحو، لغت، عروض و بلاغت اور علم اللسان پر بھی کامل دسترس رکھتے تھے، نثر نگاری میں ممتاز اسلوب کے حامل تھے۔ قادر الکلام شاعر بھی تھے۔ ان کا ایک قطعہ بہت مشہور ہے۔

ایں نفس خاکسار کہ آتش سزائے اوست　　بر باد گشت و لائق بے آب کردن است
شخصے چناں فرست کہ پا بر سرم نہد　　ریزد ہمہ منی و تکبر کہ در من است[۱۳]

آپ کا دیوان جامع الصنائع تھا جسے آپ نے مخدوم سمنانی کی خدمت میں پیش کیا تھا۔[۱۴] مگر اس وقت اس کا کوئی نسخہ دستیاب نہیں ہے۔

تصانیف:

قاضی صاحب کی حسب تصانیف کا پتہ چلتا ہے۔

(۱) حواشی کافیہ: یہ شرح ہندی کے نام سے بھی معروف ہے، شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے بقول یہ کتاب لطافت اور متانت میں بے مثال ہے خود مصنف کے زمانہ میں بھی مشہور عالم تھی[۱۵]، (ڈاکٹر زبید احمد کا خیال) ہے کہ ملا جامی نے کافیہ کی شرح لکھتے وقت ضرور اس شرح ہندی کو سامنے رکھا ہوگا اور اس کی وجہ وہ دونوں شرحوں کا باہم مماثل ہونا بتلاتے ہیں[۱۶]۔

(۲) الارشاد: عربی میں علم نحو کی ایک جامع کتاب ہے، اس میں احکام کی تعبیر تمثیل و نظیر کے ساتھ پیش کی گئی ہے، بعض علماء کا خیال ہے کہ یہ ابن حاجب کی کافیہ پر فوقیت رکھتی ہے[۱۷]۔ حاجی خلیفہ

اس [illegible] النحو [illegible]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

متوقیہ حق التالی[18] ڈاکٹر زبید احمد لکھتے ہیں کہ" اگرچہ الارشاد کو وہ شہرت ومقبولیت حاصل نہیں جو الکافیہ کو حاصل ہے تاہم دونوں تصانیف کے محتاط موازنہ سے یہ ظاہر ہو جائے گا کہ ترتیب اور موضوع کی تشریح کے اعتبار سے الارشاد زیادہ بہتر تصنیف ہے کسی کلیہ کو خود اس کی تعریف کے الفاظ سے واضح کرنا ایک ایسی خصوصیت ہے جس کی وجہ سے کافیہ کے مقابلہ میں الارشاد زیادہ مختصر اور جامع ہے"[19] شیخ وجیہہ الدین علوی گجراتی م ۹۹۸ھ نے اس کی شرح لکھی ہے۔[20]

(۳) شرح اصول بزدوی تا بحث امر

(۴) مناقب السادات : اس میں اہل بیت سے عقیدت و محبت کا اظہار کیا گیا ہے ۔

(۵) مصدق الفضل : یہ قصیدہ بانت سعاد کی شرح ہے ۔

(۶) فتاوی ابراہیم شاہی (فارسی)

(۷) رسالہ در تقسیم علوم (فارسی)

(۸) بدیع المیزان (علم بلاغت)

(۹) رسالہ در تقسیم صنائع

(۱۰) عقیدہ شہابیہ

(۱۱) دیوان (فارسی)

(۱۲) بحرِ مواج [21]

(۱۳) اسباب الفقر والغنی : ہدیۃ العارفین کے مولف نے اس کتاب کا تذکرہ کیا ہے، مگر کسی اور ماخذ میں نہ مل سکی۔[22]

(۱۴) رسالہ ابراہیم شاہی : اصول فقہ پر یہ فارسی رسالہ ۴۲ صفحات پر مشتمل ہے اس کا ایک قلمی نسخہ مولانا آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں، موجود ہے۔[23]

بحرِ مواج :

بحر مواج قرآن کریم کی فارسی زبان میں لکھی گئی معانی و بیان اور تفہیم قرآن کے لحاظ سے بیش قیمت تفسیر ہے اور یہ قاضی [illegible] کی تصنیف [illegible] تھا" اس کے بعد مصنف نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کوئی اور کتاب نہیں لکھی چنانچہ وہ اس کی طرف باین الفاظ اشارہ کرتے ہیں۔

"طلب این علم (تفسیر) اعظم مطالب و تحصیل آں اہم مآرب است لاسیما عرصہ آخر عمر کہ بوقت عصر می ماند و ہر طالب دریں وقت مرکب را شتاب میدواند، ایں وقت وقتے است کہ دلالت بر فنا دارد و مقتضائے عقل آنست کہ عاقل دل را دریں وقت برخیر باقی آرد و ایں چنیں وقت جز در اعظم امور نگذارد و جز در افضل شئون مصروف نگرداند"[24]

(اس علم کی طلب سب سے بڑی طلب اور اس کی تحصیل سب سے اہم مقصد ہے بالخصوص عمر کے آخری عہد میں جو وقت عصر کی طرح ہوتا ہے اور ہر طالب اس وقت میں سواری کو تیز دوڑاتا ہے، یہ وہ وقت ہوتا ہے کہ فنا کی طرف اشارہ کرتا ہے عقل کا تقاضا یہ ہے کہ عقلمند انسان اس وقت میں اپنے دل کو خیر پر مرکوز کرے اور ایسے وقت کو سوائے افضل چیزوں کے کہیں اور صرف نہ کرے۔)

یہ تفسیر سلطان ابراہیم شاہ شرقی کے نام معنون کی گئی ہے سلطان ابراہیم علم و ادب کا دلدادہ اور علماء و فضلا کا بڑا قدرداں تھا، اسے قاضی صاحب سے بڑی عقیدت تھی اور قاضی صاحب کو بھی اس سے خاص لگاؤ تھا قاضی صاحب نے اس تفسیر کا محرک بھی سلطان ہی کو قرار دیا ہے چنانچہ وہ کہتے ہیں:

"آنکہ داعی در ایام سابقہ بامر مطاع و فرمان لازم الاتباع سلطان السلاطین، خداوند باعز و تمکین، بادشاہ سلیمان فر دارا سکندر خلف، حامی حوزہ دیں، دافع غوایت از روئے زمین، رافع علم علم و ملت ناشر لوا دین و دولت، ملجاء جماہیر انام، ملتجا اقالیم اسلام، مالک ممالک دنیا سالک مسالک اُخری، ابو المظفر شاہ ...... در تحریر و تفسیر شارح گشتہ و تفسیر سے جز از آخر قرآن مجید نوشتہ و پیش درگاہ سلیمانی گذرانیدہ و در خزانہ کتب خاص رسانیدہ"[25]

بحر مواج تین جلدوں میں نول کشور لکھنؤ سے ۱۲۹۷ھ میں شائع ہو چکی ہے جو اس وقت نایاب ہے اس مطبوعہ پر کہیں کہیں مولانا سید محمد صادق علی کا حاشیہ بھی ہے۔ علاوہ ازیں اس کے قلمی نسخے بعض ذخائر کتب میں موجود ہیں[26]۔ بہت سے اہل علم و فن نے اس تفسیر کو زمخشری کی تفسیر الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل کے ہم پلہ قرار دیا ہے اور بتایا ہے کہ اگر یہ تفسیر فارسی کے بجائے عربی زبان میں ہوتی تو داخل نصاب درس ہوتی[27]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیونکہ ہندوستان میں عہدِ وسطیٰ میں بول چال کی زبان اگرچہ فارسی تھی مگر دینی علوم کی تدریس عربی میں ہوتی تھی اس لیے یہ تفسیر مدارس میں شامل نہ ہوسکی۔ شیخ منور بن عبدالمجید ۱۰۱۱ھ نے گوالیار کے قلعہ میں اسیری کے زمانہ میں بحرِ مواج کا عربی زبان میں ترجمہ کیا تھا مگر حکام نے اسے ضبط کرلیا [۲۸] اور آج تک کسی ذاتی کتب خانہ یا عام ذخائرِ کتب میں اس کی موجودگی کا سراغ نہ مل سکا، اس لیے یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ ترجمہ ضائع ہوگیا۔ اگر اس تفسیر کا عربی ترجمہ شائع ہوجاتا تو یقیناً مدارس دینیہ کے طلبا اور اساتذہ کے لیے نہایت مفید ہوتا۔

بحرِ مواج کا اسلوبِ نگارش:

بحرِ مواج کی زبان اور اندازِ بیان فصیح و بلیغ، مقفّٰی و مسجع، شستہ اور رواں ہے۔ نثر نگاری اور عبارت آرائی کا عمدہ نمونہ ہے، تعبیرات و مترادفات کا حسین مرقع ہے اور زورِ بیان اور حسنِ ادا کا شاہکار ہے اس سے قاضی صاحب کی فارسی زبان و ادب پر قدرت و مہارت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے بقول خود مصنفؒ:

"بحرِ مواج در بیان معانی بدلیہ چوں امواج در تحریر آورد و بعبارت رائقہ والفاظ فائقہ و کلام مطبوع طباع و ترکیب کثیر الاسجاع و معنی موفر تعبیر کرد و ایں نوال جزیل بمحض فضل خلیل جل جلالہ بود" [۲۹]

اس کتاب بحرِ مواج کو معانی بدلیہ کے بیان میں موجوں کی طرح قلم بند کیا اور اسے عبارت رائقہ، الفاظ فائقہ، موزوں و مطبوع کلام، کثرت سجع کی ترکیب اور معنی موفر سے تعبیر کیا اور یہ محض اللہ جل جلالہ کے فضل سے ہوا۔

مثال کے طور پر مصنف نے علم تفسیر کی اہمیت بیان کرتے ہوئے جو چند سطریں مقدمہ میں قلم بند کی ہیں ان کی عبارت آرائی اور طرزِ بیان ملاحظہ کیجئے:

"معلوم ارباب ذکا، و مفہوم اولی النہی، کہ بہترین کارے کہ مفتخر اسافل و اعالی بود، و سزاوار صرف ایام و لیالی باشد، تحصیل انواع علوم و تقریر اصناف معلوم است، و بالاترین علوم در لزوم اشتغال و مداومت در جمیع احوال علم تفسیر، و معرفت تاویل آیات فرقان است کہ اشتغال بداں اشتغال بجمیع علوم، و استحصال آں استحصال

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جملہ معلوم است علم احادیث را باوشانی' از کلام وفقہ در روے بیانے، علم ادب را باو کارے، علم حکمت رادر روئے اعتبارے، اعمال زاہداں وعابداں معلوم عبارات او، احوال عارفان ومحبان مفہوم او' طلب این علم اعظم مطالب وتحصیل آں اہم مارب است"[۳۰]

چھوٹے چھوٹے مقفیٰ جملے روانی اور شگفتگی لیے ہوئے مفہوم ومعانی کی قیمت کو اور مستحکم بناتے ہیں۔ اسی طرح سورۃ الفاتحہ کی تفسیر کرتے ہوئے جو کچھ لکھا ہے اس کا انداز بیان دیکھیے :

"سورۃ فاتحہ از معظم سورۂ قرآن است وسورتی عظیم الشان است، ولقد اتیناک سبعا من المثانی در شان اوست، فاتحۃ الکتاب شفاء من کل داء بر ہان اوست' اسبق سور فرقان است، ہفت آیۃ او ہمچو ہفت سبع قرانی است، از قران در روی اجل است قرارت او در فضیلت ہمچو قران کل است، در کمال بنہایت رسیدہ ودر جلال کار او بر منتہی کشیدہ، مطلع او احسن مطالع، ومقطع او احسن مقاطع است،"[۳۱]

تفسیر کے ماخذ ومصادر :

اس تفسیر کو لکھتے وقت مولف کے سامنے قدیم تفاسیر کا ذخیرہ رہا ہے چنانچہ انھوں نے ان تفاسیر کے اقوال وتاویلات سے نہ صرف فائدہ اٹھایا ہے بلکہ ان کی توجیہہ وتطبیق اور تائید بھی کی ہے اسی کے ساتھ مولف نے خود بھی غور وخوض اور تحقیق وتاویل سے کام لیا ہے چنانچہ وہ اپنے تفسیری مصادر کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"دراں ہنگام کہ شغل تالیف ایں تفسیر روئے نمود چند کتاب تفسیر معتبر حاضر بود، لبعض سخن از تفسیر امام کلبی وزاہدی وتفسیر بستی ونسفی ومدارک وکشاف وبعض شروح کشاف منقول شد وبعضے از تفسیر امام رازی وتفسیر ابواللیث سمرقندی ومغنی وعتابی ولبصائر ودرر مروی آمدہ بیشتر سخن کہ دریں تفسیر مسطور است از مضامین کتب مذکورہ است وآنچہ مولف در کتابے ندیدہ ولغواصی از بحرہ طبیعت کشیدہ بروجہ تاویل وبیان احتمال است بروجہ تفسیر وکشف احمال است"[۳۲]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(جس وقت میں اس تفسیر کو لکھ رہا تھا اس وقت میرے سامنے تفسیر کی چند معتبر کتابیں موجود تھیں چنانچہ بعض چیزیں میں نے تفسیر امام کلبی، تفسیر زاہدی، تفسیر بستی، تفسیر نسفی، تفسیر مدارک، تفسیر کشاف اور کشاف کی بعض شرحوں سے لی ہیں اور بعض چیزیں تفسیر امام رازی، تفسیر ابو اللیث سمرقندی، تفسیر مغنی، تفسیر عتابی، تفسیر بصائر اور ان کی مرویات سے لی ہیں۔ اس تفسیر کی بیشتر باتیں مذکورہ تفاسیر کے مضامین سے ماخوذ ہیں اور جو کچھ مولف کو ان کتابوں میں نہ ملا اور خود ہی ان میں غور و فکر کیا تو وہ برنائے تاویل و بیان احتمال ہے اور بر وجہ تفسیر و کشف اجمال ہے)۔

طریقہ تفسیر:

سورتوں کی تفصیل اور آیات کی تفسیر بیان کرنے کا جو طریقہ کار مصنف نے اختیار کیا ہے وہ یہ ہے کہ پہلے وہ ہر سورہ کا اجمالی تعارف کراتے ہیں۔ اس کا مکی یا مدنی ہونا واضح کرتے ہیں، سورۃ کی آیات، الفاظ اور حروف کی تعداد بتاتے ہیں پھر اس سورہ کا سابقہ سورۃ سے ربط و نظم ظاہر کرتے ہیں۔ اس کے بعد سورہ میں ذکر کئے گئے مفاہیم و مضامین کا اجمالی تجزیہ اور تعارف پیش کرتے ہیں۔ پھر آیات کی تفسیر شروع کرتے ہیں تفسیر میں پہلے تو وہ نحوی و صرفی بحث کرتے ہیں بدیع و بیان کی باریکیاں بیان کرتے ہیں اور عبارت کی ہیئت ترکیبی کا راز بتاتے ہیں پھر اس ضمن میں ابھرنے والے سوالات کو بیان کر کے اس کا جواب دیتے ہیں۔ شان نزول کی وضاحت کرتے ہیں پھر آیت کے معنی و مطلب بیان کرتے ہیں اور اس کے تحت احادیث و آثار مفسرین کے اقوال اور بسا اوقات فقہا متکلمین اور صوفیا کے بیانات و اشارات کا تذکرہ کرتے ہیں۔ چنانچہ مصنف نے اپنے طریقہ تفسیر کو ان لفظوں میں بیان کیا ہے:

"تفسیری بعبارت فارسی موسس بر قواعد علوم عربی بنیاد نہاد، و بر قوانین نحو و معانی و بیان تطبیق را و ربط جملہ جمل کہ محتاج سوئے بیان است، ذکر کردہ بر وفق مصطلحات علم معانی بر وجہی بدیع آوردہ و اصناف اطناب بیان وجوہ آں از ہر باب و ذکر جہات جملہ تو اکید در ہمہ مواضع تو کید مذکور گشت مولدات استفہام بیان ربط اجمالی جمل و در ہر سورے [illegible]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مثال کے طور پر سورۂ آل عمران کے متعلق وہ لکھتے ہیں:

"یہ سورہ آل عمران کے ذکر میں ہے اور مدنی ہے، اس میں دو سو آیات تین ہزار اسی کلمات اور چودہ ہزار پانچ سو پچیس حروف ہیں۔ سابقہ سورۃ سے اس سورہ کا ربط یہ ہے کہ دونوں کا آغاز الٓمٓ سے ہوتا ہے دونوں کے آغاز میں کتاب و ہدایت کا تذکرہ ہے اور مومنوں اور کافروں کا ذکر ہے، دونوں سورتوں کے اختتام پر مومنوں اور ان کی دعاؤں کا تذکرہ ہے اور دشمنوں کے ساتھ غزوہ و جہاد کا تذکرہ ہے، نیز سورہ بقرہ میں حضرت آدم کا تذکرہ ہے کہ ان کو بغیر ماں باپ کے پیدا کیا گیا اور اس سورہ میں حضرت عیسیٰؑ کا تذکرہ ہے جن کو بغیر باپ کے پیدا کیا گیا الخ[۸۹]"

اسی طرح سورۂ آل عمران کے مطالب و مضامین کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

جان لو کہ اس سورہ کا آغاز توحید خداوندی کے ذکر اور نفی شرک سے کیا اور اس کے بعد مباہلہ کی آیت تک چند مفید جملے یہی مفہوم رکھتے ہیں۔ پھر نصاریٰ کے خیال اور حضرت عیسیٰؑ کی الوہیت کے بارے میں ان کے اعتقاد کا تذکرہ کیا۔ اس کے بعد ذکر عام بعد خاص کے طور پر اہل کتاب کا تذکرہ کیا اور ہر باب سے ان کو خطاب کیا گیا، قصہ حد کو پیش کرنے کے بعد جو کہ اہل کتاب کے بعض معاملات پر مشتمل ہے جیسے جملہ ان الذین تولوا منکم یوم التقی الجمعان الخ۔ (آل عمران: ۱۵۵) لوٹے[۹۰] سے زیادہ جگہوں پر اہل کتاب اور ان کی حکایت و شکایت پر توجہ دی گئی جیسے ولا یحزنک الخ اور جملہ لقد سمع اللہ الخ اور دوسرے جملے کہ ان میں اہل کتاب کا ذکر ہے۔ یہاں تک کہ جملہ ان من اھل الکتاب من یومن باللہ (آل عمران: ۱۹۹) کا تذکرہ کیا اور آخر تک اہل کتاب کا تذکرہ ہے۔ اس کے بعد آیت یاایھا الذین امنوا اصبروا وصابروا ورابطوا واتقوا اللہ لعلکم تفلحون (آل عمران: ۲۰۰) مذکورہ ترتیب کے اعتبار سے ذکر کی گئی اور اسی جملہ پر سورہ کا اختتام ہوا یہ تمام جملے اصل مقصود کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مربوط ہیں۔[۹۱]"

فقہی و کلامی مباحث:

آیات کی تفسیر کرتے ہوئے مولف فقہی اور کلامی مسائل سے بھی تعرض کرتے ہیں۔

چونکہ قاضی صاحب فقہ کے ماہر جزئیات بھی تھے اور منصب قضا پر بھی فائز تھے اس لیے تفسیر میں بھی ان کا فقہی ذوق جا بجا [illegible] ہوتا ہے [illegible] کے طور پر [illegible] فحیوا باحسن منها او ردوها (النساء: ۸۶)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ سلام کرنا اسلام کی سنتوں میں سے ہے اور جواب دینا واجبات دین میں سے ہے بشرطیکہ جس کو سلام کیا جائے وہ دینی کام میں مشغول نہ ہو جیسے نماز پڑھنا، تلاوت قرآن کرنا، مدرس کو درس کے وقت، مفتی کو فتوی دینے کے وقت، حاکم کو فیصلہ کرتے وقت اور یہ شرط بھی ہے کہ جس کو سلام کیا جائے وہ گناہ اور نافرمانی میں مشغول نہ ہو کیونکہ نافرمان سلام کا مستحق نہیں ہوتا جہاں تک بادشاہ کو تخت نشینی کے وقت سلام نہ کرنے کا تعلق ہے تو بعض دیندار اساتذہ اور علمار شرع سے ترک سلام ہی کا مشاہدہ ہوا ہے اور وہ بھی اسی قاعدہ پر محمول ہے اگر وہ عدل گستری میں مشغول ہے تو یہ دین کا کام ہے اور اسے کسی اور چیز میں مشغول نہ کرنا چاہیئے اور اگر ظلم کر رہا ہے تو اسے سلام ہی نہ کرنا چاہیئے۔[۳۶]

جن آیات سے فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں ان میں مصنف کا رجحان فقہ حنفی کی طرف ہوتا ہے اور جن آیات سے کلامی مسائل مستنبط ہوتے ہیں ان کی تفسیر میں مصنف ابو منصور ماتریدی کی تائید کرتے ہیں۔ چنانچہ سورۃ البقرہ کی آیت ومن الناس من یقول آمنا باللہ وبالیوم الاخر وما ھم بمومنین (البقرہ: ۸) کے تحت ایمان کی تشریح میں اختلاف کا ذکر کرتے ہوئے ماتریدیہ کی تائید کی گئی ہے۔[۳۷]

توجیہات و تفسیری اقوال :

مصنف نے آیات کی تفسیر کرتے ہوئے متعدد تفسیری احتمالات اور مفسرین کے اقوال کو ذکر کرنے کا اہتمام کیا ہے، کہیں تو اقوال نقل کر کے اپنی رائے کا اظہار کیا ہے، بعض مقامات پر اقوال میں ترجیح و انتخاب سے کام لیا ہے کہیں ان سب کو مساوی حیثیت سے درج کر دیا ہے اور کہیں کہیں نقد واحتساب بھی کیا ہے واذ قال ربک للملئکۃ انی جاعل فی الارض خلیفۃ (البقرہ: ۳۰) کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں "یعنی فرشتوں کا خلیفہ جو پہلے زمین کے ساکن رہے ہیں تاکہ آدم ان کی جگہ لیں، یا اپنا (خدا کا) خلیفہ جو میرے اوامر ونواہی پر عمل کرے اور میرے احکام کو نافذ کرے، خلیفہ انہی دو معانی میں آیا ہے اور ان دو طریقوں پر استعمال ہوا ہے۔"[۳۸]

سورہ نسار کی آیت ولآمرنھم فلیغیرن خلق اللہ (النساء: ۱۱۹) کی تفسیر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ تغییر خلق اللہ کی تفسیر میں متعدد اقوال ہیں اور مفسرین کا اس میں اختلاف ہے بعض مفسرین کہتے ہیں کہ خلق خدا میں تغییر [illegible] جیسے مخلوق اختیار کرتی ہے "کل مولود علی الفطرۃ ثم ابواھا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اللذان یھودانہ وینصرانہ ویمجسانہ[وسلم] کے مطابق کرتی ہے، بعض مفسرین تغیر کا مطلب "حامی اونٹنی" کی آنکھ نکالنا بتاتے ہیں یعنی وہ اونٹنی جو دس اونٹ کو جنم دیتی ہے تو اس کا مالک اس کی آنکھ نکال کر سواری اور بار برداری سے آزاد کر دیتا ہے جیسا کہ عربوں کی عادت تھی۔ بعض مفسرین کے نزدیک تغیر سے مراد نر کو آختہ کرنا ہے۔ عام علماء کے نزدیک چوپایوں کو آختہ کرنا مباح ہے اور آدمی کو آختہ کرنا حرام ہے۔ امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ آختہ انسان کو خریدنے اور اس سے خدمت لینے کو مکروہ قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ لوگوں کا اس کی طرف رغبت کرنا آختہ کرنے کی وجہ سے ہوتا ہے اور اس کو خریدنے اور خدمت لینے کی طرف خلق کا مائل ہونا اس غیر مشروع فعل کا دائمی ہوتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ تغیر بخلق اللہ سے مراد جوانی کے اظہار کے لیے خضاب کا استعمال کرنا ہے اور یہ عمل بھی پُر فریب ناشائستہ اور غیر درست تدبیر ہے مگر یہ قول درست نہیں اور اس کی صحت دل میں نہیں لگتی کیونکہ سرخ خضاب مشروع بلکہ مسنون ہے۔ تمام علماء کے نزدیک غازی کا سیاہ خضاب استعمال کرنا تاکہ حربیوں کے سامنے وہ جوان معلوم ہوں اور امام ابو یوسف کے نزدیک شوہروں کا اپنی بیویوں کی نفرت دور کرنے کے لیے ایسا کرنا جائز ہے۔ بالخصوص سفید بالوں کے لیے جو قبل از وقت ظاہر ہو گیا ہو۔ از روئے تحقیق یہ تغیر نہیں ہے۔ لہٰذا یہ فریب بھی نہیں ہے اور اسے شیطان کے عمل پر محمول نہیں کیا جا سکتا البتہ اس تغیر بخلق اللہ کا مصداق وہ بوڑھی عورتیں ہوں گی جو جوان شوہر حاصل کرنے کے لیے خضاب استعمال کرتی ہیں یا بوڑھی لونڈی کو زیادہ قیمت پر بیچنے کے لیے خضاب لگانا یا عورتوں کو رجھانے کے لیے خضاب لگایا جائے اس صورت میں بڑھاپے کو جوانی سے بدلنا اور سفیدی کو سیاہی میں تبدیل کرنا ناپسندیدہ عمل ہوگا اور تغیر خلق کا مطلب لعن اللہ الواشمہ والمتوشمہ[صلی اللہ علیہ وسلم] کے حکم کے مطابق گودنا اور پاچھنا ہے جو کہ بعض عورتوں کی رسم ہے۔ اور بعض مفسرین تغیر کا مطلب کھانے کے لیے جو چیزیں اللہ نے پیدا کی ہیں ان کو حرام کرنا اور جو جانور سواری کے لیے بنائے گئے ہیں ان کو حرام کرنا مراد لیتے ہیں اور بعض مفسرین تغیر کا مطلب عورتوں کا مردوں کی مشابہت اختیار کرنا اور مردوں کا عورتوں کی مشابہت اختیار کرنا مراد لیتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ "ولیبتکن اذان الانعام" کے بعد تغیر بخلق اللہ کا ذکر عام بعد خاص کے طور پر ہے اور ہر قسم کی تغیرات کو شامل ہے سوائے ان تغیرات کے جن کی کسی عذر کے باعث اجازت دی گئی ہے۔ جیسے بیماری کی وجہ سے کسی عضو کا کاٹنا کہ حکومت مصلحت کی بنا پر ایسا فیصلہ کر دیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یا کسی جرم کی پاداش میں تغییر کا فیصلہ کیا جائے جیسے چور کے لیے ہاتھ کاٹنا اور رہزن کے لیے ہاتھ پاؤں کا کاٹنا یا روزمرہ کی منفعت کی خاطر تغییر کرنا جیسے مونچھ کاٹنا اور سر کے بال ترشوانا اور اونٹ، گھوڑے اور بیل کو آختہ کرنا۔[۱۴۱]

رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ (البقرہ:۲۰۱)

کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حسنہ سے مراد نیکی ہے اور بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ دنیا میں حسنہ توفیق اور طاعت، رزق حلال اور خاتمہ بالخیر ہے روز آخرت میں حسنہ مغفرت اور جنت ہے، بعض حضرات کہتے ہیں کہ دنیا میں حسنہ علم و عبادت ہے اور آخرت میں حسنہ بعث باسعادت ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ دنیا میں حسنہ عیش باسعادت اور موت باشہادت ہے اور آخرت میں حسنہ قبر سے خوش خبری کے ساتھ اٹھایا جانا ہے، بعض کا قول ہے کہ دنیا میں حسنہ نیک عورت ہے اور آخرت میں حسنہ حور عین ہے بعض کہتے ہیں کہ حسنہ دنیا ثنائے جمیل اور حسنہ آخرت ثواب جزیل ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ حسنہ دنیا ایمان ہے اور حسنہ آخرت عذاب قبر سے امان ہے، ان علاوہ حسنہ دنیا کا مطلب صلاح دنیا کے اسباب اور حسنہ آخرت کا مطلب فلاح اُخری کے موجبات ہیں۔"[۱۴۲]

قاضی صاحب کی خوبی یہ ہے کہ وہ آیات کے صرف ایک مفہوم و معنی بیان کرنے پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ معانی و مفاہیم کی ایک وسیع دنیا دکھاتے ہیں۔ اس لحاظ سے یہ کام قابلِ قدر ہے کہ قرآن علم و عرفان اور یقین و ایمان کا سرچشمہ ہے تو اس کی آیات کے انطباق اور مفاہیم کی تلاش میں تنوع اور توجہ ہونا چاہیے۔ اس سے آیت کی عظمت، وسعت اور گیرائی و گہرائی کا اندازہ ہو سکے مثال کے طور پر سورۃ البقرہ کی آیت "یا ایھا الذین اٰمنوا استعینوا بالصبر والصلوٰۃ" (البقرہ: ۱۵۳) کی تفسیر کرتے ہوئے وہ رقم طراز ہیں:

"روزہ شکم اور شرمگاہ کی شہوت سے نفس کو روکنا ہے جو کہ صبر کے نام سے جانا جاتا ہے جس کے معنی نفس پر قابو پانا ہے (یعنی صلوٰۃ یہاں بمقابلہ صبر بمعنی صوم استعمال ہوا ہے) اور ہو سکتا ہے کہ صبر سے مراد مطلق عبادت میں نفس پر کنٹرول کرنا ہو اور صلوٰۃ کا ذکر تخصیص بعد تعمیم ہو، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ صبر سے مراد دشمنوں سے جنگ میں ثابت قدمی کے معاملہ میں نفس پر قابو رکھنا ہو جو کہ ظاہری جہاد ہے اور صلوٰۃ کا ذکر اس سے اعتبار ہو کہ وہ جہاد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

باطنی ہے اور شیطان کے ساتھ جنگ ہے اور اسے جہادِ اکبر کہا گیا ہے چنانچہ پیغمبر علیہ السلام سے مروی ہے کہ "چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف پلٹے ہیں" اس لحاظ سے جملہ استعینوا بالصبر والصلوٰۃ جملہ واشکروا لی کا بیان ہوگا اس اعتبار سے کہ عبادت شکر سے عبارت ہے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ صبر سے مراد ابتلاو مصیبت پر صبر کرنا ہو اور صلوٰۃ سے مراد سختی و ناخوش گواری کے وقت نماز میں مشغول رہنا ہو کہ جب پریشانیوں اور مصیبتوں کا ہجوم ہو تو اسے نماز کے ذریعہ دفع کیا جائے، ایسے وقت میں نماز میں مشغول ہونا کمال ایمان اور استواری الیقان کی دلیل و برہان ہے، اس لحاظ سے استعینوا بالصبر والصلوٰۃ جملہ مستانفہ ہوگا کہ جب آیت میں نعمتوں پر شکر کا تذکرہ کیا تو سامع کو بتایا کہ مصیبت کے وقت کیا کیا جائے اور جملہ ندائیہ (یا ایھا الذین آمنوا) ہر دو صورت میں معترضہ ہوگا جو کہ درمیان کلام میں تنبیہ کے لیے ہے۔[۱۲]

بحر مواج کا امتیازی وصف:

اس تفسیر کا امتیازی پہلو اس کے نحوی و صرفی مباحث اور عبارت کی ترکیب و ساخت کی تحلیل ہے اور حل اشکال اور توضیح ابہام ہے غالباً اسی خصوصیت کی بنا پر لوگوں نے اسے کشاف کے ہم پلہ قرار دیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مصنف کو نحو و صرف پر عبور حاصل ہے جیسا کہ الارشاد اور شرح کافیہ کے مباحث سے ظاہر ہے، قرآنی آیات کی تفسیر کرتے وقت وہ اس صلاحیت کا استعمال اعتماد اور تفصیل کے ساتھ کرتے ہیں۔ مگر کشاف کو جو اولیت حاصل ہے وہ کسی پر مخفی نہیں یہی وجہ ہے کہ قاضی صاحب نہ صرف کشاف اور اس کی متعدد شرحوں سے بھرپور استفادہ کرتے ہیں اور ان کا حوالہ دیتے ہیں بلکہ کشاف کی توجیہات پر وارد ہونے والے اعتراضات کا جواب بھی دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر سورۃ البقرۃ کی آیت یا ایھا الناس اعبدوا ربکم الذی خلقکم والذین من قبلکم لعلکم تتقون (البقرہ: ۲۱) کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ:

"صاحب کشاف نے کہا ہے کہ ہر وہ آیت جس کے شروع میں یا ایھا الناس آیا ہے مکی ہے اور ہر وہ آیت جس کے شروع میں یا ایھا الذین آمنوا آیا ہے مدنی ہے، مگر کشف[۱۳] کے مصنف کہتے ہیں کہ دونوں اصول ٹوٹ جاتے ہیں کیونکہ مذکورہ آیت مدنی ہے اور اس کے شروع میں یا ایھا الناس ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور سورہ تحریم کی آیت یا ایھا الذین آمنوا قوا انفسکم واھلیکم نارا مکی ہے اس کے باوجود یا ایھا الذین آمنوا سے آغاز ہوتا ہے کشف کے مصنف نے اس سوال کو لاینحل قرار دیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بعض احکام ظاہر حال کو دیکھ کر لگائے جاتے ہیں اور اغلب واکثر کے لحاظ سے ہوتے ہیں۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ کل کریم یجود، وکل شجاع یصول وکل صدیق ینصح وکل عدو یوذی" اگر بعض حالات میں اس کا الٹا ہو اور ظاہر حال کے منافی ہو تو یہ قضیہ اغلب کے اعتبار سے ہوگا۔ اسی طرح وہ جگہ جہاں کوئی آیت یا ایھا الناس سے شروع ہوتی ہے مکی ہے کیونکہ مکہ میں بیشتر لوگ مومن نہ تھے اور مسلمان بہت محدود تھے، اس لیے ان کو یٰایھا الناس سے مخاطب کرنا مناسب تھا اور ہر وہ آیت جو یا ایھا الذین آمنوا سے شروع ہوتی ہے بظاہر وہ مدنی ہے کیونکہ مدینہ میں مسلمان زیادہ تھے اس لیے وہاں یا ایھا الذین آمنوا سے خطاب کرنا مناسب تھا[۴۴]

مصنف نے کشاف کا حوالہ دینے اور اس کے اقتباسات نقل کرنے کے ساتھ کشاف کے بعض مشتملات سے اختلاف بھی کیا اور زمخشری پر نقد بھی کی ہے مثال کے طور پر سورۃ البقرہ کی آیت "واذ ابتلی ابراھیم ربہ بکلمٰت فاتمھن قال انی جاعلک للناس اماما قال ومن ذریتی قال لاینال عھدی الظالمین (البقرہ: ۲۴) کی تفسیر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

کشاف میں ہے کہ "ومن ذریتی کا عطف جاعلک کے حرف کاف پر ہے چنانچہ کوئی کہتا ہے کہ سا کرمک تو سامع کہتا ہے وزیدا یعنی میرے ساتھ زید کا بھی اکرام کرو"۔ مگر یہ توجیہہ مشکل ہے کیونکہ اگر جاعلک کے حرف کاف پر اس کا عطف ہوگا تو یہ بھی جاعلک کا معمول ہوگا چنانچہ تقدیر کلام یوں ہوگا "انی جاعلک وجاعل بعض ذریتک" جبکہ یہ درست نہیں اور اگر اس جملہ کو جملہ انی جاعلک للناس اماما پر عطف مانا جائے تو چونکہ وہ اللہ تعالیٰ کا قول تھا اس لیے یہ بھی اللہ تعالیٰ کا قول ہوگا جبکہ یہ حضرت ابراہیم کا قول ہے اور حضرت ابراہیم کے قول کا عطف اللہ کے قول پر نہیں ہو سکتا اس لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ اسے محذوف پر عطف مانا جائے جیسا کہ میں نے بیان کیا یعنی قال ابراھیم اجعلنی اماما وبعضا من ذریتی ائمۃ[۴۶]

بہرصورت بحر مواج میں حسب تفصیل اور وضاحت سے نحوی ترکیب ملتی ہے، کشاف میں وہ نہیں ہے بظاہر ایسا لگتا ہے کہ مصنف نے مدارس کے طلباء اور اساتذہ کی درسی ضروریات کو سامنے رکھ کر یہ تفسیر لکھی ہے اور اس میں شک نہیں کہ اس لحاظ سے بیش قیمت تفسیر ہے نحوی بحث کی ایک مثال ملاحظہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہو سورۃ البقرہ کی آیت وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَکَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَآ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ (البقرہ:۳۹) کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"موصول باصلہ خود مرفوع المحل بابتدا است، اولٰئک مبتدا دوم است، اصحاب النار خبر و جملہ خبر مبتدا است، جملہ والذین کفروا عطف است بر اسمیہ سابقہ یعنی من تبع ہدای فلا خوف علیہم و ماضی بقرینہ سباق بمعنی مستقبل بود، و ایراد مستقبل بمعنی بصیغہ ماضی از جہت تیقن وقوع باشد و جملہ ھم فیہا خالدون تکمیل است از جہت دفع وھم، کسانیکہ در رہ باطل بروند و در شان اہل نار گمان عدم خلود برند"[۴۷]

بحر مواج کی احادیث:

سورتوں کے فضائل میں مفسرین بالعموم اور صاحب کشاف بالخصوص صرف صحیح احادیث کو درج کرنے کا اہتمام نہیں کرتے بلکہ ضعیف و موضوع روایات کو بھی درج کر دیتے ہیں۔ خاص طور پر ابی ابن کعب رضؓ کے حوالہ سے جو روایات نقل کی جاتی ہیں ان میں سے بیشتر کی سند ابی ابن کعب تک نہیں پہونچی،[۴۸] اس کے برخلاف بحر مواج کے مصنف نے اس طرح کی روایات کو بکثرت درج کرنے سے گریز کیا ہے اس کے باوجود کہیں کہیں ضعیف و موضوع روایات بلکہ اسرائیلیات بھی آگئی ہیں۔ مثال کے طور پر فتلقی ادم من ربہ بکلمات کے ذیل میں متعدد اقوال نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ "بعض مفسرین کہتے ہیں کہ آدمؑ نے اللہ تعالیٰ سے محمدؐ کے حوالہ سے مغفرت طلب کی تو اللہ تعالیٰ نے پوچھا اے آدم محمدؐ کو کس طرح جانتے ہو کہ اس کے وسیلے سے مجھے پکار رہے ہو تو آدمؑ نے کہا کہ میں نے جنت میں ہر جگہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا دیکھا۔ اس طرح میں نے جانا کہ محمدؐ تمہارے اکرم و اعظم مخلوق ہیں"۔[۴۹] یہ روایت محدثین کے نزدیک ساقط الاعتبار ہے۔[۵۰] اسی طرح تخلیق آدم کے سلسلہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب آدم کی تخلیق کا ارادہ کیا تو جبریلؑ کو مٹی لانے کو کہا جب جبریل زمین کے پاس آئے تو اس نے معذرت چاہی اور گریہ و زاری کی تو جبریل واپس چلے گئے پھر اللہ نے میکائیل وغیرہ کو بھیجا ان کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہوا پھر اللہ نے عزرائیل کو بھیجا انھوں نے زمین کی فریاد کے مقابلہ میں اللہ کے فرمان کو مقدم سمجھا اور مٹی لے کر گئے اس لیے اللہ نے ان کو موت کا فرشتہ بنادیا۔[۵۱] یہ روایت بھی صحیح نہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یوں تو بحر مواج میں بکثرت روایات بیان کی گئی ہیں جن میں ہر درجہ کی احادیث شامل ہیں صحیح و حسن بھی منکر و مقلوب بھی اور ضعیف و متروک بھی۔ مگر مصنف نے بالعموم ان روایات کا ماخذ بیان نہیں کیا ہے۔ یہاں تک کہ اس بات کا بھی التزام نہیں کیا گیا ہے کہ صرف معتبر مجموعہ ہائے احادیث ہی سے روایات نقل کی جائیں بلکہ بعض قدیم کتب تفاسیر سے بھی روایات نقل کی گئی ہیں۔ قاضی صاحب کسی حدیث کو بیان کرتے وقت اکثر و بیشتر صرف اتنا لکھتے ہیں "در روایت آمدہ" یا "روایت کردہ اند" یا "در حدیث است" وغیرہ۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مصنف کے عہد میں حدیث کی معتبر کتابوں کی اشاعت عام نہیں تھی نہ تو کتب حدیث کے نسخے بکثرت دستیاب تھے اور نہ ان کے حوالوں کا التزام ہوتا تھا یہی وجہ ہے کہ خود مصنف نے ذخیرہ احادیث پر نظر رکھنے اور ان کی قدر و قیمت سے واقف ہونے کے باوجود ان کا تعین کے ساتھ حوالہ دینے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ اس بنا پر ان روایات کو بھی عام تفسیروں کی طرح "بحر مواج" میں جگہ مل گئی جو معیار صحت پر پوری نہیں اترتیں مثال کے طور پر "شھد اللہ انہ لا الہ الا ھو والملئکۃ واولوا العلم قائما بالقسط" کی تفسیر کرتے ہوئے مصنف نے حسب ذیل روایت نقل کی ہے، "در حدیث است کہ فردا قیامت علماء را خطاب شود یا معشر العلماء لم اضع علمی فیکم الا لعلمی بکم ولم اضع علمی فیکم لا عذبکم انطلقوا نقد غفرت لکم" الخ[52]

اس حدیث کی روایت باختلاف الفاظ ابن عدی نے واثلہ بن اسقع رضؓ کے حوالہ سے کی ہے اور کہا ہے کہ یہ منکر ہے کیونکہ اس کے راوی عثمان بن عبد الرحمان قرشی سے ثقہ رواۃ حدیث نہیں لیتے ابن عدی نے ایک دوسری سند سے بھی جو حضرت موسی الشعریؓ پر منتہی ہوتی ہے یہ روایت بیان کی ہے اور کہا ہے کہ یہ روایت اس سند کے ساتھ باطل ہے۔[53] اسی طرح یہ روایت "لی مع اللہ وقت لا یسع فیہ ملک مقرب ولا نبی مرسل"، مولف نے تِلْکَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ کے ضمن میں بیان کی ہے[54] مگر یہ روایت بھی ساقط الاعتبار ہے۔[55]

قاضی صاحب کی ایک کتاب مناقب السادات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قاضی صاحب کے مطالعہ میں مشارق الانوار، مصابیح السنۃ، مشکوۃ المصابیح اور طحاوی کی شرح معانی الآثار موجود تھیں چنانچہ اس کتاب میں مذکورہ کتب کے حوالے ملتے ہیں۔ اسی کے ساتھ قاضی صاحب نے اس میں ھدایہ، الکشاف، بیضاوی، فتاوی قاضی خان، فتاوی تاتار خانیہ الدر المنثور، شرح فرائض سراجیہ، البحر المحیط

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تاریخ النسب از ابوالقاسم وغیرہ سے بھی احادیث نقل کی گئی ہیں۔[۵۶]

قاضی صاحب نے بعض مقامات پر روایات کو بیان کرنے کے ساتھ ان کو نظم قرآن کی کسوٹی پر پرکھ کر ان کی صحت وسقم کا فیصلہ کیا ہے یعنی یہ بتایا ہے کہ کون سی روایت قرآن کے بیان سے ہم آہنگ ہے اور کون سی اس سے مطابقت نہیں رکھتی چنانچہ سورہ آل عمران کی آیت" واذ غدوت من اھلک تبوئ المومنین مقاعد للقتال" کی تفصیل کے ساتھ تفسیر کی ہے اور جنگ احد کا پورا پس منظر بیان کیا ہے اس ضمن میں شہدائے جنگ احد کی تعداد بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس جنگ میں ستر مسلمان شہید اور ستر زخمی ہوئے اور بعض کہتے ہیں کہ ایک تہائی شہید ایک تہائی زخمی اور ایک تہائی منہزم ہوئے مگر پہلی روایت نص قرآنی کے نظم کے موافق ہے یعنی "ان یمسسکم قرح فقد مس القوم قرح مثلہ" کے مطابق ہے کیونکہ جنگ بدر میں ستر کفار قتل کیے گئے تھے اور ستر گرفتار ہوئے تھے۔[۵۵]

محکم ومتشابہ:

ھُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ مِنْہُ اٰیٰتٌ مُّحْکَمٰتٌ ھُنَّ اُمُّ الْکِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِھٰتٌ ؕ فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِھِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَہَ مِنْہُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَۃِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِہٖ ۚ وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَہٗٓ اِلَّا اللّٰہُ ۘ وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِہٖ ۙ کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا یَذَّکَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ (آل عمران: ۷)

مذکورہ آیت کی تفسیر کرتے ہوئے مولف نے تفصیل کے ساتھ مفسرین کے ان دو گروہوں کا تذکرہ کیا ہے جو متشابہات کی تاویل کو درست نہیں سمجھتے اور ما یعلم تاویلہ الا اللہ پر جملہ کا اختتام مانتے ہیں اور جو متشابہات کی تاویل کو درست سمجھتے ہیں اور والرّٰسخون فی العلم پر جملہ کو ختم کرتے ہیں۔ اس کے بعد مصنف نے امام زاہد کی تفسیر[۵۸] کا حوالہ دیا ہے جس میں کہا گیا ہے متشابہات کی تاویل کے سلسلہ میں یہ اختلاف دراصل زمانہ کے اختلاف سے تعلق رکھتا ہے اور اپنے اپنے زمانہ اور عہد کے لحاظ سے دونوں اقوال درست ہیں۔ پھر مصنف نے اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے اپنی رائے اور رجحان کی وضاحت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ:

"والرّٰسخون میں جو واو ہے وہ بعض کے نزدیک استیناف کا ہے اور والرّٰسخون

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مبتدا ہے جس کی خبر یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا ہے یعنی رَاسِخِیْنَ فِی الْعِلْمِ کو مُتَشٰبِہٰت کی تاویل میں غور و خوض روا نہیں جبکہ دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ وَالرّٰسِخُوْنَ میں جو واو ہے وہ عطف کا ہے اور اس کا معطوف علیہ اِلَّا اللّٰہُ ہے، مطلب یہ ہے کہ رٰسِخِیْنَ کے لیے متشابہ کی تاویل کا علم ممکن ہے، کیونکہ اگر راسخین فی العلم کو بھی متشابہات کا علم نہ ہو تو قرآن کا یہ بیان کہ وہ تبیانا لکل شی ہے درست نہ ہوگا اور یہ جو کہا گیا ہے کہ سلف نے متشابہ کی تاویل نہیں کی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس زمانہ میں مخالفین نہیں تھے۔ کہ تاویل کی ضرورت پیش آتی اور ان کی تردید کی حاجت ہوتی لیکن ہمارے زمانہ میں متشابہات کی تاویل کرنا واجب ہے اور مخالفین کی تردید لازم ہے، اصول فقہ کی بعض کتابوں میں وارد ہے کہ یہ اختلاف (یعنی تاویل کرنے اور نہ کرنے کا) از روئے تحقیق اختلاف نہیں کیونکہ شعور کی دو قسمیں ہیں یقینی اور غیر یقینی اور دونوں اعتبار سے ہر گروہ کا قول ایک ہے بایں طور سے کہ اس بات پر دونوں کا اتفاق ہے کہ راسخین کو متشابہ کی تاویل کا یقینی علم حاصل نہیں ہوگا اور اس پر بھی سب کا اتفاق ہے کہ لحن و احتمال کی بنا پر تاویل ممتنع نہیں ہے۔[59]

نقد و احتساب :

اس تفسیر میں جابجا ان گروہوں اور فرقوں پر تنقید کی گئی ہے جن سے قرآن کا صحیح مفہوم متعین کرنے میں غلطی ہوئی ہے مثال کے طور پر سورۃ البقرہ کی آیت وَمَن يَتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ کی تفسیر کے تحت معتزلہ پر تنقید کرتے ہوئے مولف رقم طراز ہیں کہ

"معتزلہ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ جو اللہ تعالی کے مقرر کردہ حد سے تجاوز کرتا ہے وہ ظالم ہے اور ظالم کو مفسرین نے کافر کے معنی میں لیا ہے اور گناہ کبیرہ کے مرتکب حدود اللہ سے تجاوز کرتے ہیں اس لیے لازم آتا ہے کہ ظالم کافر ہوگا میں اس کا جواب یہ دیتا ہوں کہ ائمہ تفسیر نے اسی ظالم کو کافر کے معنی میں لیا ہے جو مومن کے مقابلہ میں آیا ہے اور ہر جگہ ظالم کو کافر کے معنی میں نہیں لیا ہے اس جگہ بھی ظالم کافر کے معنی میں نہیں ہے اس لیے معتزلہ کا استدلال درست نہیں ہے۔"[60]

سورہ آل عمران کی آیت (۱۱۳) " لَيْسُوْا سَوَآءً ۭ مِنْ اَھْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَاۗىِٕمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَاۗءَ الَّيْلِ وَھُمْ يَسْجُدُوْنَ کی تفسیر کرتے ہوئے قاضی صاحب نے امام زاہد پر نقد کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ " امام زاہد نے یتلون آیات اللہ کے معنی توریت اور انجیل کی تلاوت بیان کیا ہے، کیونکہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مسلمانوں کے لیے توریت وانجیل کا پڑھنا ممنوع اور ہماری شریعت میں ان کی تلاوت ناجائز ہے، ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر فاروقؓ کے ہاتھ میں توریت کا ایک ورق دیکھا تو حضرت عمر کے اس عمل کو آپ نے ناپسند کیا. فرمایا "افتھوکون کما تھوکت الیھود والنصاریٰ واللہ لو کان موسیٰ حیا ما وسعہ الا اتباعی" یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مذکورہ آیت اس ممانعت سے پہلے نازل ہوئی ہو۔[61]

قاضی صاحب نے علامہ زاہدی پر جو نقد کیا ہے اس سے اتفاق کرنا مشکل ہے کیونکہ توریت وانجیل کو پڑھنے کی ممانعت وحرمت کا دعویٰ محتاج ثبوت ہے حضرت عمر کی مذکورہ روایت سے مصنف کا استدلال بھی متعدد وجوہ سے محل نظر ہے سب سے پہلے روایت کو دیکھئے حدیث کے الفاظ یہ ہیں" عن جابر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم حین اتاہ عمر فقال انا نسمع احادیث من یھود تعجبنا افتری ان نکتب بعضھا فقال امتھوکون کما تھوکت الیھود والنصاری لقد جئتکم بھا بیضاء نقیۃ ولو کان موسیٰ حیا ما وسعہ الا اتباعی۔[62]

حضرت جابرؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جس وقت حضرت عمر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور پوچھا کہ ہم یہود سے بہت سی روایات سنتے ہیں کیا آپ ان میں سے بعض کو لکھنے کی اجازت دیتے ہیں تو آپ نے فرمایا کیا تم لوگ یہود ونصاریٰ کی طرح بھٹک رہے ہو تمہارے پاس میں صاف اور روشن چیز لے کر آیا ہوں اور اگر موسیٰؑ زندہ ہوتے تو ان کے لیے میرے اتباع کے علاوہ کوئی اور چارہ نہ ہوتا۔ اس روایت سے توریت وانجیل کے پڑھنے کی حرمت کہاں ثابت ہوتی ہے؟ یہاں تو بعض اسرائیلی روایات کو لکھنے کی اجازت کا سوال ہے جس سے آپ نے منع فرمایا اور یہی نہیں بلکہ خود اپنی احادیث کو بھی لکھنے سے آپ نے منع فرمایا تھا اگرچہ بعد میں اس کی اجازت دے دی۔[63]

حضرت عمرؓ کا یہی واقعہ حضرت جابرؓ کے حوالہ سے اختلاف الفاظ کے ساتھ سنن دارمی نے بیان کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عمر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس توریت کا ایک نسخہ لے کر آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ یہ توریت کا نسخہ ہے تو آپ چپ رہے اور حضرت عمر اسے پڑھنے لگے اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ اطہر ناراضگی کے باعث متغیر ہونے لگا اس پر حضرت ابوبکرؓ بولے تجھے کھونے والیاں کھوئیں کیا تم رسول اللہ کے چہرہ کو نہیں دیکھتے جب حضرت عمرؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور کو دیکھا تو پکار اٹھے میں اللہ اور اس کے رسولؐ کی ناراضگی سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں رضینا باللہ ربا و

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بالاسلام دیناً وبمحمد نبیاً اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا کی قسم اگر موسیٰؑ تمہارے پاس آجائیں اور تم مجھے چھوڑ کر ان کا اتباع کرنے لگو تو تم سیدھے راستہ سے گمراہ ہوجاؤ گے اگر وہ زندہ ہوتے اور مجھے پاتے تو ضرور میرا اتباع کرتے"[۶۴]

اس روایت پر نقد کرتے ہوئے علامہ ناصر الدین محمد ابو المنصور م ۱۳۲۰ھ/۱۹۰۲ء نے اپنی فارسی تفسیر تبجیل التنزیل میں لکھا ہے کہ "تفسیر ابن جریر الطبری، ابن ابی حاتم اور کتب احادیث مثلاً طبرانی، بیہقی، مسند امام احمد بن حنبل اور مسند عبد بن حمید میں مرقوم ہے کہ حضرت عمر فاروق کی کچھ زمین یہودیوں کے مدرسہ کے پاس تھی وہ اس کی دیکھ بھال کے لیے وہاں کبھی کبھی جایا کرتے تھے، جب اس راستہ سے گذرتے تو یہودیوں کے مدرسہ میں بھی چلے جاتے اور ان لوگوں سے توریت اور دیگر صحف انبیاء کی حکمت و نصیحت کی باتیں سنتے تو تعجب کرتے کہ صحف انبیاء کس قدر آپس میں ہم آہنگ ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قصہ حضرت عمرؓ جس میں توریت پڑھنے کی ممانعت کا ذکر ہے صحت و صداقت سے خالی ہے' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ممانعت کے باوجود ممکن نہ تھا کہ حضرت توریت کی تعلیم سے مدرسہ یہودیاں میں دلچسپی لیتے دوسری بات یہ ہے کہ توریت عبرانی زبان میں تھی اور جب عمر عبرانی زبان سے ناواقف تھے پھر کس طرح انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے توریت کے کچھ اوراق پڑھے۔ تیسری بات یہ ہے کہ توریت پڑھنے کی ممانعت کا ذکر سنن دارمی میں ہے جو صحاح میں سے نہیں ہے اگر اس روایت میں کوئی صحت و اعتبار ہوتا تو اصحاب صحاح میں سے کوئی نہ کوئی ضرور اس کو نقل کرتے اور حضرت شاہ عبد العزیزؒ م ۱۲۶۲ھ نے عجالہ نافعہ میں مسند شافعی اور مسند دارمی وغیرہ کو حدیث کے تیسرے طبقہ میں رکھا ہے جس میں جعلی روایات بھی موجود ہیں اور ان کی اکثر روایات فقہاء کے نزدیک معمول بہ نہیں ہیں بلکہ اجماع ان کے خلاف منعقد ہوا ہے"[۶۵]

آیات کے اثرات و خواص :

قرآن کریم جہاں روحانی اور اخلاقی امراض کے لیے نسخہ کیمیا بن کر نازل ہوا ہے وہاں اس میں جسمانی اور ذہنی امراض کے لیے بھی شفا موجود ہے، جیسا کہ قرآن کا ارشاد ہے وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِينَ (الاسراء: ۸۲) چنانچہ بحر مواج میں کہیں کہیں اس پہلو سے بھی تفسیر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی گئی ہے اور آیات کے اثرات و خواص کا تذکرہ کیا گیا ہے مثال کے طور پر سورۃ الانعام (۶۷) کی آیت لِكُلِّ نَبَإٍ مُّسْتَقَرٌّ وَسَوْفَ تَعْلَمُونَ کی تفسیر کرتے ہوئے مصنف لکھتے ہیں کہ

"تفسیر بستی[۱۶] میں اس آیت کی خاصیت کا ذکر بایں طور کیا گیا ہے کہ جو شخص اس آیت کو کسی کاغذ پر لکھ کر اور اسے لپیٹ کر اس دانت پر رکھے جہاں درد ہو رہا ہے، تو درد رفع ہو جائے گا۔"[۶۶]

اشعار و حکایات:

بعض مقامات پر مصنف نے آیات کی تفسیر و تاویل میں سلف صالحین اور بزرگان دین کے واقعات سے بھی مدد لی ہے اگرچہ واقعات و حکایات مقدار میں بہت کم ہیں تاہم اس سے یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مولف کی نظر میں تفسیری روایات کے ساتھ اسلاف کے واقعات بھی اہمیت رکھتے ہیں نیز مصنف نے بکثرت فارسی و عربی کے اشعار سے بھی مدعا کلام کی توضیح میں مدد لی ہے، چنانچہ بحر مواج کے صفحات میں جا بجا ہمیں اشعار بطور ایضاح مل جاتے ہیں۔ ان اشعار میں بعض تو یقیناً متقدمین مثلاً سعدی و حافظ اور عارف رومی وغیرہ کے ہیں اور بعض اشعار خود مصنفؒ کے ہیں۔ جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ قاضی شہاب الدینؒ قادر الکلام اور صاحب دیوان شاعر بھی تھے۔ اس لیے ان کا شعری ذوق ان کی تفسیری کوشش میں بھی منعکس نظر آتا ہے اور سچ پوچھیے تو قاضی صاحب کے برمحل شعر لکھنے سے تفسیر کا لطف دو بالا ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر سورہ آل عمران کی آیت وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ" (آل عمران: ۸۵) کے تحت غیر مسلموں کی دنیا و آخرت میں ناکامی کا تذکرہ کر کے یہ شعر لکھتے ہیں:

دی کودک خاک بیز غربیل بدست | نیرد بدو دست روئے خود را میخست
میگفت بہار ہا کہ افسوس و دریغ | دانکا نہ نیافتیم و غربیل شکست[۶۸]

تاویل و توجیہہ:

بحر مواج میں صرف متقدمین کی توجیہات اور تفسیری روایات و اقوال کو ہی جمع کرنے کا اہتمام نہیں کیا گیا ہے بلکہ مصنف نے خود بھی آیات میں غور و خوض کیا ہے بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہے کہ انہوں نے گہرائی اور باریک بینی کے ساتھ آیات کا مفہوم تلاش کرنے کی سعی کی ہے اور بعض اپنے فہم قرآن کی روشنی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں آیات کی توجیہہ وتاویل کی ہے، تفسیر بالماثور یعنی معتبر احادیث اور اقوال صحابہ کے علاوہ کسی بشر کا قول یا تاویل تفسیر میں حجت نہیں اس لیے دوسرے مفسرین کی طرح قاضی صاحب کی تاویل وتوجیہہ سے بھی اتفاق واختلاف کیا جاسکتا ہے مگر ان کی محنت اور اجتہادی صلاحیت کا انکار ممکن نہیں۔ مثال کے طور پر سورہ آل عمران کی آیت اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ "(آل عمران ۵۵) کی تفسیر کرتے ہوئے قاضی صاحب لکھتے ہیں" متوفیک کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ہم تمہاری (عیسیٰ کی) کھانے پینے کی خواہش کو زائل کردیں گے اور معنی جاعلک کا المتوفی فی زوالها ہو یعنی ہم دور کردیں گے تجھ سے کھانے پینے کی اشتہا اور تجھے ہم متوفی کی طرح کردیں گے جو طعام وشراب سے بے نیاز ہوتا ہے، کہا گیا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام آدمی تھے آسمان پر اٹھائے جانے کے بعد ان کی طبیعت فرشتوں کی ہوگئی، جسمانی تھے روحانی ہوگئے اور صفاتِ ملائکہ سے متصف ہو گئے"[۲۹]

اسی طرح سورہ آل عمران کی دوسری آیت جو جنگ احد سے متعلق ہے۔ اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ۭ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُھَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَاۗءَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۙ وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ (آل عمران: ۱۴۰، ۱۴۱) کی تفسیر کرتے ہوئے آخر میں لکھتے ہیں کہ

"شکست مسلمانوں کے لیے مذکورہ منافع رکھتی اور بیان کردہ ثمرات لاتی ہے (یعنی اہل ایمان میں تمیز کرنا ان کی ثابت قدمی کو ظاہر کرنا اور ان کو مقام شہادت عطا کرنا وغیرہ) جبکہ کافروں کے لیے شکست ان کے اعمال کو مٹانے کا ذریعہ ثابت ہوتی ہے کیونکہ جب کافروں کو شکست ہوگی تو یہ وہ دنیا اور آخرت میں ناکام ہوں گے اور کہیں بھی اپنی مراد تک نہ پہنچ سکیں گے۔ نصرت وہزیمت کے دن لوگوں کے درمیان اس لیے پلٹتے رہتے ہیں تاکہ "لِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ" اللہ اہل ایمان کو جان لے اور اہل ایمان کو چھانٹ کر کافروں کو محو کردے۔ ائمہ تفسیر نے اسی مفہوم کو اختیار کیا ہے اور معنی کی استقامت اسی لحاظ سے کی ہے، اس اعتبار سے دیکھا جائے تو "لِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا" میں حرف لام کا اعادہ جو مومنوں کی شکست کے منافع پر مبنی ہے مشکل معلوم ہوتا ہے اور وضع مظہر کی موضع مضمر میں تکرار لازم آتی ہے لیکن اگر لِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَاۗءَ کو کافروں کی شکست پر مرتب ہو کر لِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں اہلِ ایمان سے مراد ان لوگوں کو لیا جائے جو کہ شکست کھانے کے بعد ایمان لائے مثلاً ابوسفیانؓ اور خالد بن ولیدؓ وغیرہ اور تمحیص سے مراد کفر و شرک سے رہائی اور تطہیر کی جائے اس بنا پر کہ "اسلام اپنے ماقبل کے گناہوں کو ختم کر دیتا ہے" اور کافروں سے مراد وہ کافر ہوں جو مرتے وقت تک کفر پر قائم رہے اور لِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ کو کافروں کی شکست کے انجام کا بیان تسلیم کیا جائے یعنی یہ کہ کافر اگر شکست کھانے کے بعد مسلمان ہو جاتے ہیں تو ان کے گناہوں کو مٹا دیا جائے گا اور ان کی تطہیر کی جائے گی لیکن اگر وہ کفر پر باقی رہے تو ان کی سعی محو کر دی جائے گی اور ان کا عمل اکارت جائے گا نہ دنیا میں فائدہ ہوگا اور نہ آخرت میں، اس طرح حرف لام کے اعادہ کی وجہ معلوم ہو جائے گی اور وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تکرار پر مبنی نہیں رہے گا، یعنی اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بمعنی یؤمنون ہوگا۔ اور ماضی کے صیغہ سے مستقبل کا ذکر غفر اللّٰہ کی طرح برائے تفاول ہوگا، یہ توجیہہ جو مولف کے دل میں آتی ہے توقع ہے کہ صاحبِ انصاف کی نظر میں پسندیدہ ہوگی۔[۵۶]

محاسن تفسیر:

بحرِ مواج میں فقہی کلامی نحوی و صرفی محاسن اور فصاحت و بلاغت کے علاوہ ایک بڑی خوبی یہ بھی ہے کہ مولف نے روایات، آثار اور اقوال سلف کے علاوہ خود قرآن کریم کے نظم کلام اور سیاق و سباق پر گہری نظر رکھتے ہوئے آیات کے مفہوم کو تلاش کرنے کی سعی کی ہے اور تفسیر کرتے ہوئے اس نظم سے پورا پورا فائدہ اٹھایا ہے چنانچہ وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ حَقًّا عَلَي الْمُتَّقِيْنَ (البقرۃ - ۲۴۱) کی تفسیر کرتے ہوئے مولف لکھتے ہیں "اگر اسے سابقہ آیت یعنی جس میں متوفی عنہا زوجہا کی عدت کا نفقہ بیان ہوا ہے پر عطف مانیں تو یہ آیت نفقہ مطلقات کے وجوب کے لیے ہوگی اور اگر اسے متعہ دینے کے معنی میں لیا جائے جیسا کہ دوسری آیت متعوھن علی الموسع قدرہ و علی المقتر قدرہ متاعا بالمعروف" میں ہے تو اس کا مطلب متعہ کے استحباب کا بیان ہوگا جو ہر مطلقہ عورت کو دینا ثابت ہے۔[۵۷]

مصنف نے آیات کے باہمی تعلق سے زیادہ وضاحت اور زور کے ساتھ سورتوں کے مابین نظم و ربط پر گفتگو کی۔ [illegible] اس کے ربط سور اور

© rasailojaraid.com